اقوال زرّیں

- اگر اللہ معاف کردے تو گناہ کیا ہے، اگر اللہ نامنظور کردے تو نیکی کیا ہے۔
- شیطان اس لیے شیطان بنا کہ اس نے عبادت کو تو مانا، لیکن معبود کو نہ مانا۔
- بدکار انسان بے غیرت ہوتا ہے۔
- ناجائز کمائی جلد ضائع ہوجاتی ہے۔
- کھانے پینے کی اشیا میں ملاوٹ کرنے والا ظالم ہے۔
- اپنے آپ کو بدنصیب کہنے کے گناہ سے بچتے رہو۔

روزنامہ راشٹریہ سہارا
ROZNAMA RASHTRIYA SAHARA LUCKNOW

بی جے پی.. اختلاف رائے برداشت نہیں

دنیا کا ہر معاشرہ، ہر ملک اور ہر ادارہ و تنظیم اختلاف رائے کو تسلیم کرنے کے قائل ہیں۔ اختلاف اور تنقید کے آئینہ میں اپنی اصلاح و تطہیر کا کام کرتے ہیں۔ مہذب معاشروں اور اداروں میں اختلاف رائے کو زندگی کی علامت سمجھا جاتا ہے اور بعض اوقات اس کیلئے حوصلہ افزائی بھی کی جاتی ہے لیکن ہندوستان میں یہ اختلاف رائے اور تنقید ملک دشمنی ٹھہرگئی ہے، خاص کر حکمراں جماعت اور اس سے وابستہ رہنماؤں کے کام کاج پر تنقید کو کسی بھی حال میں برداشت نہیں کیا جارہا ہے۔ حکومت کی پالیسیوں کے خلاف بولنا گویا ملک کے خلاف بولنا ہوگیا ہے۔ مرکزی حکومت ہو یا مختلف ریاستوں میں قائم بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومتیں یہ اپنی پالیسیوں اور رویوں کے خلاف ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتی ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اول تو کوئی اختلاف کی جرأت ہی نہ کرے اور اگر کسی نے یہ ہمت کر بھی لی تو ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے کہ اسے نشان عبرت بنادیا جائے۔ پارٹی کے اندرونی افراد ہوں یا باہر کے حزب اختلاف سے تعلق رکھنے والے لیڈران اختلاف رائے کے معاملے میں حکومت سبھی کو ایک لکڑی سے ہانکتی ہے۔ جن کے خلاف سی بی آئی اور ای ڈی کا استعمال بوجوہ ممکن نہیں ہوپاتا ہے، انہیں حاشیہ پر پھینک کر ان کی سیاسی موت کا سامان کردیا جاتا ہے۔ یہی کچھ مینکا گاندھی اور ان کے صاحب زادے ورون گاندھی کے ساتھ بھارتیہ جنتا پارٹی نے شروع کردیا ہے۔

بھارتیہ جنتا پارٹی کے قومی صدر جے پرکاش نڈا نے جمعرات کو اپنی نئی ٹیم کا اعلان کیا۔ لیکن اس نئی ٹیم سے بی جے پی کے رکن پارلیمنٹ ورون گاندھی اور ان کی والدہ سابق مرکزی وزیر مینکا گاندھی کو بیک بینی و دو گوش نکال باہر کردیا گیا ہے۔ جے پی نڈا کی نئی قومی مجلس عاملہ میں پارٹی کے ان دو بڑے لیڈروں کو شامل نہیں کیے جانے کی وجہ اترپردیش کی یوگی آدتیہ ناتھ کی قیادت والی بی جے پی حکومت کے کام کاج پر تنقید اور پارٹی لیڈروں سے اختلاف رائے بتایا جارہا ہے۔ مینکا گاندھی، مرکز کی مودی حکومت کے پہلے دور میں وزیر تھیں اور اس وقت وہ اترپردیش کے سلطان پور سے لوک سبھا کی رکن ہیں۔ ان کے بیٹے ورون گاندھی اترپردیش کے پیلی بھیت سے رکن پارلیمنٹ ہیں۔

مینکا گاندھی اور ورون گاندھی دونوں ہی کسانوں سے بات چیت کے حامی رہے ہیں اور حالیہ دنوں لکھیم پور کھیری میں ہوئی بربریت کی مذمت کرتے ہوئے بی جے پی کے ان لیڈروں نے اس کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کا مطالبہ کیا تھا۔ ورون گاندھی تو کسانوں کی تحریک کے حوالے سے مسلسل ٹوئٹ کررہے تھے اور حکومت سے کارروائی کا مطالبہ کررہے تھے۔ اترپردیش کے وزیراعلیٰ یوگی آدتیہ ناتھ کو بھی انہوں نے اس سلسلے میں خط لکھا تھا۔ اپنے اس خط میں ورون گاندھی نے لکھیم پور میں کسانوں کے قتل کا الزام لگاتے ہوئے کارروائی کا مطالبہ کیا تھا۔ ٹوئٹر پر ایک ویڈیو بھی شیئر کرتے ہوئے ورون گاندھی نے لکھا کہ مظاہرین کو قتل کے ذریعے خاموش نہیں کیا جاسکتا اور جوابدہی کو طے کیا جانا چاہیے۔

اترپردیش میں اگلے چند مہینوں میں اسمبلی انتخابات ہونے ہیں، کسان پہلے سے ہی بی جے پی کے خلاف بھرے بیٹھے ہیں، اس پر لکھیم پور کھیری میں پارٹی لیڈر اور مرکزی وزیر مملکت اجے مشرا کے صاحب زادے آشیش مشرا کی گاڑی سے کچل کر کسانوں کی ہلاکت بی جے پی کیلئے سوہان روح بن گئی، ان سب کے درمیان ورون گاندھی نے بھی یوگی حکومت کے خلاف محاذ کھول دیا ہے جو پارٹی کو کسی حال میں برداشت نہیں ہے۔ پارٹی صدر جے پی نڈا ہی نہیں بلکہ مرکزی حکومت اور یوپی حکومت میں شامل بی جے پی کے کم و بیش اکثر لیڈران ماں بیٹے کی مسلسل تنقید کی وجہ سے ناراض تھے اور یہی وجہ ہے کہ اس بار دونوں کو ہی قومی مجلس عاملہ سے باہر کا راستہ دکھادیا گیا ہے۔ دلچسپ بات تو یہ بھی ہے کہ سوشل میڈیا پر بی جے پی کی ٹرول فورس اپنے ان لیڈروں کو اپنی پارٹی ہی نہیں بلکہ ملک کا دشمن بھی بتارہی ہے اور ان دونوں کی گاندھی خاندان سے وابستگی کو لعنت وملامت کا نشانہ بنائے ہوئے ہے۔

چند ہفتہ قبل تک یہی بھارتیہ جنتا پارٹی پنجاب کانگریس میں پیدا بحران کے حوالے سے کانگریس میں اندرونی جمہوریت کو نشانہ بنائے ہوئی تھی اور چرن جیت سنگھ چنی کو وزیراعلیٰ بنائے جانے پر طرح طرح کے سوال کررہی تھی لیکن خود اس کی مجلس عاملہ میں نہ صرف اندرونی جمہوریت کا گلا گھونٹتے ہوئے پارٹی کے دو پرانے لیڈروں کو نکال باہر کیا گیا بلکہ اترپردیش اسمبلی انتخاب کے پیش نظر اس قومی مجلس عاملہ میں ذات پات کے توازن کا باقاعدہ خیال رکھا گیا ہے۔ بہرحال یہ دیکھنا دلچسپ ہوگا کہ وزیراعلیٰ بدل بدل کر گجرات، اتراکھنڈ اور کرناٹک میں حکومت بچالینے والی بھارتیہ جنتا پارٹی اترپردیش اسمبلی انتخاب میں کیا کارنامہ انجام دیتی ہے کیوں کہ کسانوں کی تحریک اور خود پارٹی کے اندر کسانوں کی حمایت میں آواز اٹھنا اسے مشکل میں ڈالے ہوئے ہے اور پارٹی اصلاح احوال کی بجائے ناقدین کو ہی باہر کا راستہ دکھارہی ہے۔

edit2sahara@gmail.com

مساوی اور معیاری تعلیم سے دوری

محمد حنیف خان

دو ٹوک

> **مساوی اور معیاری تعلیم صرف عالمی تنظیم کا ہی نعرہ نہیں ہے بلکہ بچوں کا بنیادی حق بھی ہے لیکن اگر ہندوستان میں رائج نظام تعلیم کا مشاہدہ کیا جائے تو ان دونوں محاذوں پر بطور نیشن ہم ناکام نظر آتے ہیں۔ بچوں کو نہ تو معیاری تعلیم مل پارہی ہے اور نہ ہی مساوی تعلیم کا یہاں کوئی نظم ہے۔**

بچے کسی بھی ملک اور قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں، یہی ان کا مستقبل اور ان کے وجود کے ضامن ہوتے ہیں۔ ملک وقوم کی ترقی اور تنزلی بھی ان ہی بچوں سے وابستہ ہے جبکہ ان بچوں کا مستقبل اسکول اور اساتذہ سے مربوط ہوتا ہے۔ اگر اسکول اور اساتذہ نہیں ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ بچوں کا مستقبل تاریکی کا شکار ہوگا۔ دور رس قیادتیں وقتی کے بجائے طویل مدتی منصوبوں پر نظر رکھتی ہیں اور اسی کے مطابق منصوبے وضع کرتی ہیں، جس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وقتی طور پر تو ملک وعوام کو دشواریوں کا سامنا ہوسکتا ہے لیکن مستقبل میں ملک وقوم کو کسی بڑے بحران کا شکار نہیں ہونا پڑتا ہے۔ اس کے برعکس بصیرت سے عاری قیادتیں وقتی فائدے پر توجہ مبذول رکھتی ہیں جس سے اس وقت تو آسانی ہوتی ہے لیکن بعد میں دشواریوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ دراصل ملک اور قوم وملت کا مقدر فرد واحد کے عمل سے وابستہ نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کی ذمہ داری قیادتوں اور خصوصاً سیاسی قیادتوں کے کندھوں پر ہوتی ہے۔ کیونکہ فرد واحد محدود دائرے میں ہی کام کرسکتا ہے خواہ وہ کتنا بھی بااثر ہی کیوں نہ ہو، سرسید احمد خاں کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ انہوں نے تعلیم کا ایک بڑا خواب دیکھا جسے شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے بڑے بڑے اقدام کیے، جس کا نتیجہ بھی ہمارے سامنے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ اس کے باوجود ہندوستان کے سبھی عوام خصوصاً سبھی مسلمان تو اس سے فیضیاب نہیں ہوسکے، لیکن یہی عمل جب حکومتیں اور سیاسی قیادتیں کرتی ہیں تو اس کا وسیع پیمانے پر فائدہ ہوتا ہے۔

تعلیم بلا امتیاز مذہب وملت ہندوستان کا ایک بڑا مسئلہ رہا ہے، آزادی کے بعد سے اب تک اس محاذ پر مسلسل کوششیں ہورہی ہیں، اس کے باوجود ابھی تک مکمل کامیابی نہیں مل سکی ہے۔ شرح خواندگی آج بھی کم ہے، جس کے لیے صرف وہ لوگ ذمہ دار نہیں ہیں جنہوں نے تعلیم حاصل نہیں کی یا جنہوں نے اپنے بچوں کو تعلیم سے آراستہ نہیں کیا بلکہ اس کے لیے وہ سیاسی قیادتیں بھی ذمہ دار ہیں جن کے ہاتھوں میں زمام اقتدار آئی لیکن انہوں نے تعلیم کے محاذ کی اہمیت نہیں سمجھی اور اس شعبے میں اس طرح کام نہیں کیا جس طرح کرنا چاہیے تھا۔ اگر سیاسی قیادتوں نے ایسا کیا ہوتا تو آج ملک میں اساتذہ کی اتنی قلت نہ ہوتی۔ میرے پیش نظر اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے یونیسکو کی 166 صفحات پر مشتمل رپورٹ 'نو ٹیچر نو کلاس' ہے۔ دراصل عالمی منصوبہ 2030 کے اہداف کے حصول کے لیے یونیسکو کو تعلیمی محاذ پر کامیابی کی مہم سونپی گئی ہے۔ اقوام متحدہ نے 17 ایسے اہداف مقرر کیے ہیں جنہیں 2030 تک حاصل کرنا ہے، جن کے توسط سے دنیا سے غربت کا خاتمہ کرنا ہے۔ تعلیم کو ان اہداف کے حصول کا سب سے اہم ذریعہ قرار دیا گیا ہے جسے بغیر مساوی اور معیاری تعلیم کے نہیں حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اتفاق سے ہمارے ملک میں مساوی اور معیاری تعلیم کسی خواب سے کم نہیں ہے۔ حکومت دعوے تو خوب کرتی ہے لیکن اس کے دعوؤں کی قلعی وقتاً فوقتاً کھلتی رہتی ہے، جس سے سیاسی قیادت کی دوراندیشی اور حصول اہداف کے لیے عزم وارادوں سے بھی پردہ اٹھ جاتا ہے۔ اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آنے لگتی ہے کہ سیاسی قیادت میں کتنی بصیرت اور دوراندیشی ہے۔

یونیسکو کی اس رپورٹ کے مطابق 9.7 ملین اساتذہ پرائمری اور ثانوی سطح کے مختلف اسکولوں میں تعلیم دے رہے ہیں، جبکہ 1.5 ملین اسکول ہیں جن میں درجہ اول سے بارہ تک کے 248 ملین بچے زیر تعلیم ہیں۔ 69 فیصد اسکول ریاستی حکومتوں کے ماتحت ہیں جن میں 51 فیصد سرکاری اساتذہ درس و تدریس کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ 22 فیصد اسکول نجی ہاتھوں میں ہیں جو بچوں سے موٹی فیس وصول کر کے اس رقم سے اسکول کا انتظام و انصرام چلا رہے ہیں، جس میں اساتذہ کی تنخواہ، انفرااسٹرکچر اور انتظامیہ کا منافع بھی شامل ہوتا ہے۔ ان میں 37 فیصد اساتذہ درس وتدریس کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ 84 فیصد اسکول دیہی علاقوں میں ہیں، ان میں 54 فیصد اسکولوں میں درجہ ایک سے پانچ تک تعلیم دی جاتی ہے۔

یہاں ایک بات اور قابل ذکر ہے کہ رائٹ ٹو ایجوکیشن 2009 (آر ٹی ای 2009) کے تحت مفت تعلیم ہر بچے کا بنیادی حق ہے جس کی ذمہ داری ریاست پر ہے۔ اسی طرح آئین کی دفعہ 21 کے تحت تعلیم کو زندگی کا بنیادی حق مانا گیا ہے، پانچ برس کی عمر سے لے کر 15 برس کی عمر تک کے بچوں کو مفت تعلیم دینا ریاست کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ اس کے باوجود ملک میں ناخواندگی اپنے منحوس پاؤں پسارے ہوئے ہے۔

مساوی اور معیاری تعلیم صرف اس عالمی تنظیم کا ہی نعرہ نہیں ہے بلکہ بچوں کا بنیادی حق بھی ہے لیکن اگر ہندوستان میں رائج نظام تعلیم کا مشاہدہ کیا جائے تو ان دونوں محاذوں پر بطور نیشن ہم ناکام نظر آتے ہیں۔ بچوں کو نہ تو معیاری تعلیم مل پارہی ہے اور نہ ہی مساوی تعلیم کا یہاں کوئی نظم ہے۔ اس ملک میں معیاری تعلیم کیسے ممکن ہوسکتی ہے جہاں سرکاری اسکولوں میں خالی اسامیوں کی تعداد لاکھوں میں ہو۔ یونیسکو کی رپورٹ 'نو ٹیچر نو کلاس' کے مطابق اس وقت ملک میں 11.16 لاکھ اساتذہ کے عہدے خالی پڑے ہیں، یہ کل تعداد کا 19 فیصد ہے۔ یہ کسی ایک ریاست کا معاملہ نہیں ہے اس میں ملک کی سبھی ریاستیں شامل ہیں، ان میں اترپردیش سرفہرست ہے۔ 3.3 لاکھ عہدے صرف اترپردیش میں خالی پڑے ہیں، 2.2 لاکھ بہار میں جبکہ 1.1 لاکھ عہدے بنگال میں خالی پڑے ہیں۔ اسی طرح سے 1.1 لاکھ اسکول ایسے ہیں جہاں صرف ایک ہی استاد کے سہارے بچوں کو پڑھایا جارہا ہے۔ ایسے میں بھلا معیاری تعلیم کا انتظام کیسے ہوسکتا ہے؟ اگر ان عہدوں پر بروقت تقرری ہوجائے تو اس سے کئی مسئلے حل ہوسکتے ہیں، اول بچے اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہونے سے بچ جائیں، دوم بے روزگاری کے شکار نوجوانوں کی بے روزگاری دور ہوجائے جو اس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا مسئلہ ہے، سوم ملک کا مستقبل تعلیمی سطح پر تابناک ہوجائے گا، جس کا فائدہ ملک وقوم کو مستقبل میں یقیناً ملے گا۔

اسکولوں میں اساتذہ کے نہ ہونے یا ان کی تعداد کم ہونے کا سب سے برا اثر بچوں پر پڑتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں بچوں کو معیاری تعلیم نہیں مل پاتی ہے۔ کسی بھی سرکاری اسکول میں چلے جائیے وہاں کا نظام تعلیم دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں تعلیم کے بجائے صرف وقت کاٹا جاتا ہے۔ اول اساتذہ کی کمی ہوتی ہے اور دوم وہ اساتذہ بھی بچوں کو محنت اور لگن سے نہیں پڑھانا چاہتے ہیں، جس کی وجہ سے لوگ سرکاری اسکولوں کے بجائے پرائیویٹ اسکولوں کی طرف رخ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، یہیں سے تعلیم کے میدان میں عدم مساوات کو راہ ملتی ہے اور پھر سرکاری اور پرائیویٹ اسکولوں میں زیر تعلیم بچوں کے مابین ایک ایسی لکیر کھنچ جاتی ہے جو جین حیات قائم رہتی ہے۔ چونکہ پرائیویٹ اسکول کا سسٹم ایک ایسی انڈسٹری میں تبدیل ہوچکا ہے جس سے زیادہ منافع بخش کاروبار شاید اس وقت کوئی نہیں ہے، چونکہ اس سے بچوں کا مستقبل وابستہ ہوتا ہے اس لیے لوگ بے دریغ روپیہ بھی خرچ کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ یہ پرائیویٹ اسکول بہتر سہولیات اور اعلیٰ تعلیم کے نام پر سرپرستوں سے موٹی رقم وصول کرتے ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ خود حکومت میں شامل افراد اس طرح کے اسکولوں کی چین چلاتے ہیں کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ یہ نہایت منافع بخش کاروبار ہے۔

ہر شہر اور علاقہ میں ایسے کچھ اسکول ضرور ہوتے ہیں جو اسٹیٹس سمبل بن جاتے ہیں، جہاں تعلیم حاصل کرنے والا بچہ احساس برتری جبکہ سرکاری اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والا احساس کمتری کا شکار ہوجاتا ہے۔ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کے لیے اپنی ماتحتی میں معیاری اور مساوی تعلیم کا انتظام کرے۔ اس سے پرائیوٹ اسکول انتظامیہ کی لوٹ کھسوٹ کا خاتمہ بھی ہوگا اور تربیت میں یکسانیت بھی آئے گی۔ اس رپورٹ کے تناظر میں ہندوستان معیاری اور مساوی تعلیم سے دور ہوتا جارہا ہے، حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ ملک سے غریبی اور عدم مساوات کے خاتمہ کے لیے تعلیمی محاذ پر مضبوطی سے کام کیا جاتا۔ مرکزی اور ریاستی حکومتوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ بچے اپنے بنیادی حقوق سے محروم کیے جا رہے ہیں، جس کے لیے ان کے علاوہ کوئی دوسرا ذمہ دار نہیں ہے۔ اگر حکومت مساوی اور معیاری تعلیم کے محاذ پر عملی اقدام نہیں کررہی ہے تو وہ حقیقت میں ملک وقوم کے مستقبل سے کھلواڑ کررہی ہے خواہ وہ محبّ وطن ہونے کا کتنا بھی دعویٰ کرے۔

haneef5758@gmail.com

الیکٹرک گاڑیوں کی مشکل ڈگر

سنجے ورما

تجزیہ

> **لوگوں کے ذاتی کاروں کی جانب راغب ہونے سے گاڑی بنانے والی کمپنیوں کو مدد ملے گی، بجلی سے چلنے والی گاڑیوں کی خریداری میں اضافہ سے روزگار پیدا ہونے میں مدد ملنے پر حکومت کا سردرد بھی کم ہوگا۔ سرکار اعدادوشمار میں یہ دِکھا سکے گی کہ اس کی کوششوں کے دم پر ملک میں نوجوانوں کیلئے کتنے فیصد نوکریاں پیدا ہوئیں۔**

گاڑیوں میں پٹرول-ڈیزل کے استعمال سے بڑھتی آلودگی کی تشویش نے دنیا کو جن متبادل کی طرف بڑھنے کے لیے راغب کیا ہے، ان میں بجلی سے چلنے والی کاروں اور بسوں نے سب سے زیادہ توجہ مبذول کرائی ہے۔ خاص طور سے کہا جارہا ہے کہ اگر پرائیویٹ طور پر کاریں استعمال کرنے والے کسٹمرس کو ہی الیکٹرک کاروں کی جانب موڑا جاسکا، تو اس سے عالمی درجہ حرارت اور آب وہوا تبدیلی جیسے مسائل کے حل کی راہ بھی کھل سکتی ہے۔ ابھی تک بجلی سے چلنے والی کاروں کا مطالبہ ایک ماحولیاتی مسئلہ تھا، لیکن پٹرول-ڈیزل کی بڑھتی قیمتوں نے کاروں کے عام کسٹمرس کو اس متبادل پر سنجیدگی سے سوچنے کے لیے مجبور کردیا ہے۔ حالات یہ ہیں کہ تقریباً پوری دنیا میں صارف بجلی یا ہائیڈروجن سے چلنے والی کاروں کے بارے میں پوچھ گچھ کررہے ہیں۔ ادھر، حکومتیں بھی گاڑیاں بنانے والی کمپنیوں اور کسٹمرس کو بطور گرانٹ کئی طرح کی رعایتیں دے کر انہیں یہ متبادل آزمانے کے لیے حوصلہ افزائی کررہی ہیں۔ لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ کیا بجلی سے چلنے والی کاروں کو لے کر پیدا ہوئی دیوانگی کی کوئی ٹھوس زمین بھی ہے یا یہاں بھی سارا معاملہ اڑن کاروں جیسا ہوا ہوائی ہی ہے؟

گزشتہ کچھ وقت میں پرائیویٹ طور پر کار خریدنے والے کسٹمرس میں بجلی سے چلنے والی کاروں کے تئیں دلچسپی پیدا ہوئی ہے۔ اسی سال جولائی میں کرائے گئے موبلیٹی کنزیومر انڈیکس (ایم سی آئی) سروے میں 13 ممالک کے 9 ہزار امیدواروں میں سے 40 فیصد نے کہا تھا کہ اگر انہیں بجلی سے چلنے والی گاڑی خریدنے کا متبادل ملتا ہے تو پٹرول-ڈیزل سے چلنے والی گاڑیوں کے مقابلہ میں وہ 20 فیصد زیادہ رقم ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ان 9 ہزار امیدواروں میں سے ایک ہزار ہندوستانی تھے۔ سروے کے مطابق ہندوستان میں 10 میں سے 3 کار خریداروں کی رائے یہ ہے کہ وہ بجلی سے چلنے والی کار خریدنا پسند کریں گے، بشرطیکہ انہیں اس سے متعلق مضبوط بنیادی ڈھانچہ ملے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ کاریں ایک مرتبہ چارج کرنے کے بعد 100 سے 200 میل تک بغیر کسی رکاوٹ کے چلنے کی گارنٹی دے سکیں، تو انہیں اس کے لیے کچھ زیادہ رقم ادا کرنے میں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ کم ہوتی قیمت اور مضبوط بنیادی ڈھانچہ - یہ دو ایسی یقین دہانیاں ہیں جو بجلی سے چلنے والی گاڑیوں کے تعلق سے صارفین کے نظریہ اور رویہ میں تبدیلی لارہی ہیں۔ حالاں کہ اس میں بھی زیادہ بڑا کردار معاشی ہے۔ پٹرول-ڈیزل کی مہنگائی سے بے حال کسٹمرس چاہتے ہیں کہ انہیں ایسی گاڑیاں ایک متبادل کے طور پر ملیں، جن میں کہیں آنے جانے کا ان کا خرچ تقریباً اتنا ہی ہو، جتنا انہیں اسکوٹر یا موٹر سائیکل پر خرچ کرنا پڑتا رہا ہے۔ خاص طور سے مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والے صارفین کا طبقہ پٹرول کی روزانہ بڑھتی قیمتوں کی فکر سے آزاد ہونا چاہتا ہے، بھلے ہی اسے ایک مرتبہ بجلی سے چلنے والی کار پر زیادہ رقم کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔

بجلی سے چلنے والی گاڑیوں کی جانب بڑھنے کے لیے دی جانے والی دلیلیں بہت ہی سیدھی اور واضح ہیں، جن میں بڑھتی فضائی آلودگی کو کنٹرول کرنا اور توانائی کی حفاظت کے چیلنجز (معدنی تیل کی درآمد پر انحصار) وغیرہ فیکٹر شامل ہیں۔ حالاں کہ الیکٹرک گاڑیوں کو وسیع پیمانہ پر اپنائے جانے کے راستہ میں ابھی بھی کئی رکاوٹیں ہیں۔ ایسے میں ٹرانسپورٹ سیکٹر کی اس بڑی تبدیلی کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے مختلف سطحوں پر حکومت کی حمایت کی ضرورت ہوگی۔ ہندوستان میں بجلی سے چلنے والی گاڑیوں کو جن چیلنجز کو پورا کرنا ہے، وہ بہت جانے پہچانے ہیں۔ جیسے پہلا مسئلہ بیٹری چارج کرنے کا ہے۔ گھروں پر تو انہیں آسانی سے چارج کیا جاسکتا ہے، لیکن سڑکوں پر انہیں چارج کرنے کی سہولتیں ابھی برائے نام کی ہیں۔ ایسے چارجنگ اسٹیشن گنتی کے ہی ہیں اور پٹرول پمپ کے مقابلہ میں یہ نہ کے برابر ہی ہیں۔ اس کے بعد دقت یہ ہے کہ ابھی لوگوں کو الیکٹرک کاروں پر اس بات سے متعلق زیادہ یقین نہیں ہے کہ ایک مرتبہ چارج کیے جانے کے بعد جتنے کلومیٹر کے سفر کا دعویٰ کمپنیاں کرتی ہیں، یہ کاریں حقیقت میں اتنی دوری طے کر بھی سکتی ہیں یا نہیں۔

ان دقتوں کے باوجود بجلی سے چلنے والی کاروں کے لیے کچھ صارفین زیادہ قیمت دے سکتے ہیں، لیکن زیادہ تر کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔ ان کاروں کی قیمت پٹرول-ڈیزل کاروں کے مقابلہ ڈیڑھ سے دوگنا تک زیادہ ہے۔ اس کا سبب ان میں استعمال ہونے والی لیتھیم بیٹری ہے، جس کی قیمت کار کی حقیقی قیمت کا چالیس فیصد تک ہوتی ہے۔ مسائل کی فہرست یہیں ختم نہیں ہوتی، بلکہ پڑوسی ملک چین کے ساتھ ہمارے تعلقات میں اُتار چڑھاؤ بھی ان دقتوں میں اضافہ کرتا ہے۔ اصل میں بجلی سے چلنے والی گاڑیوں کے لیے جس لیتھیم بیٹری اور کل پرزوں کی ضرورت ہے، اس کے لیے ہندوستان بڑے پیمانہ پر چین سے ہورہی درآمد پر منحصر ہے۔ ایسے میں اگر چین اس درآمد پر پابندی عائد کرتا ہے تو ان کاروں کی مینوفیکچرنگ اور سپلائی فوراً متاثر ہوسکتی ہے۔ ایک اور بڑا رخنہ ملک میں بجلی کی بڑھتی ڈیمانڈ کے مقابلہ سپلائی میں آنے والی ممکنہ کمی کا ہے۔ ایسے میں اگر کسی وجہ سے کوئلہ کی پیداوار میں کمی آئی اور الیکٹرک کاروں وغیرہ کے سبب بجلی کی ڈیمانڈ میں تیزی سے اضافہ ہوا تو بجلی کی پیداوار اور ڈیمانڈ-سپلائی کا توازن گڑبڑا سکتا ہے۔ اگر کسی وجہ سے بجلی کٹوتی ہوتی ہے تو بجلی سے چلنے والی گاڑیوں کو سڑک پر دوڑانا ممکن نہیں ہوپائے گا۔ ملک کے زیادہ تر دیہی اور قصباتی علاقوں میں ابھی بھی بجلی کا بحران دور نہیں ہوا ہے۔ ایسے میں دیہی اور قصباتی علاقوں میں الیکٹرک کاروں کا بازار بن پانا آسان نہیں ہے۔

ویسے حکومت بجلی سے چلنے والی گاڑیوں کو بڑھاوا دینے کی مسلسل کوششیں کررہی ہے۔ ماحولیاتی اہداف کو حاصل کرنے کے علاوہ پٹرول-ڈیزل کی درآمد پر انحصار کم کرنے کے مقصد سے کئی سطحوں پر بجلی سے چلنے والی گاڑیوں کو بڑھاوا دینے کی پالیسی پر عمل بھی شروع کردیا ہے۔ حال میں بجلی سے چلنے والی گاڑیوں پر جی ایس ٹی کی شرح 12 سے کم کر کے 5 فیصد کردی ہے۔ اس معاملہ میں حکومت کی دو دیگر پالیسیاں بھی قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے ایک فیم انڈیا اسکیم ہے جسے موجودہ برس سے نافذ کیا گیا ہے۔ فاسٹر ایڈاپشن اینڈ مینوفیکچرنگ آف ہائی برڈ اینڈ الیکٹرک وہیکل اِن انڈیا (فیم انڈیا) کے تحت مقصد پٹرول اور ڈیزل سے چلنے والی گاڑیوں کی تعداد کو کم کرنا ہے۔ دوسری اسکیم پیداوار سے وابستہ حوصلہ افزائی (پی آئی ایل) کی ہے، جس میں بجلی سے چلنے والی گاڑیوں کو تیزی سے اپنانے کے راستہ میں آرہی رکاوٹوں کو دور کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ لیکن اس منظرنامہ میں جس ایک محاذ پر ہماری نظر جانی چاہیے، وہ ایشو اوجھل ہوتا جارہا ہے۔ اصل میں اس پوری بحث میں پبلک ٹرانسپورٹ کا متبادل چرچا سے باہر ہوگیا ہے، بلکہ کہنا چاہیے کہ اسے جان بوجھ کر باہر کیا جارہا ہے تا کہ لوگ ذاتی کاروں کی جانب جائیں۔ اس سے گاڑی بنانے والی کمپنیوں کو مدد ملے گی، حکومت کے ریونیو میں اضافہ ہوگا اور خریداری میں اضافہ سے روزگار پیدا ہونے میں مدد ملنے پر حکومت کا سردرد بھی کم ہوگا۔ سرکار اعداد وشمار میں یہ دِکھا سکے گی کہ اس کی کوششوں کے دم پر ملک میں نوجوانوں کے لیے کتنے فیصد نوکریاں پیدا ہوئیں۔ اس لیے قابل غور یہ ہے کہ بجلی سے چلنے والی گاڑیوں کو بڑھاوا دینے کی کوششوں کے ساتھ ساتھ کیا پبلک ٹرانسپورٹ سسٹم کو درست کرنے کی کوششیں نہیں ہونی چاہئیں؟

(بشکریہ : جن ستّا)

آئینہ

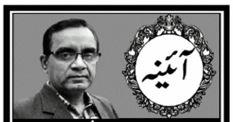

ضمیر ہاشمی

مجرموں کی سرپرستی کر رہے تھے حکمراں
بے اثر لگتی تھیں مظلوموں کی فریادیں سبھی
حاکموں کی جب خبر لی اس پہ سپریم کورٹ نے
تب لگا قانون کا کردار باقی ہے ابھی

نوٹ: اداریتی صفحے پر شائع مضامین میں مضمون نگاروں کے ذریعہ ظاہر کی گئی آرا ان کی ذاتی ہیں اور ادارہ اس کیلئے کسی طرح سے ذمہ دار نہیں ہے۔

مراسلات

مراسلہ نگار کی رائے سے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

لکھیم پور واقعہ سے بچا جاسکتا تھا

مکرمی!

اقتدار کے نشہ میں بدمست حکمراں پارٹی مخالف آواز کا گلا گھونٹنے کے لیے کس مقام تک جاسکتی ہے، اس کا اندازہ لکھیم پور میں ہونے والے بے رحمانہ واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے، جہاں وزیر مملکت برائے داخلہ اجے مشرا کے بیٹے آشیش مشرا نے بے رحمی کی انتہا کرتے ہوئے احتجاج کررہے کسانوں پر گاڑی چڑھادی جس کے نتیجہ میں چار کسانوں کی دردناک موت ہوگئی۔ بتایا جاتا ہے کہ کسان اترپردیش کے نائب وزیراعلیٰ کیشو پرساد موریہ کے لکھیم پور کے ایک گاؤں کے دورہ کے خلاف احتجاج کر رہے تھے، لیکن نائب وزیراعلیٰ کے قافلہ میں شامل آشیش مشرا اور ان کے ساتھیوں نے کسانوں پر گاڑی چڑھادی اور چار کسانوں کو کچلتے ہوئے آگے نکل گئے۔ اس وحشیانہ واقعہ سے کسان مشتعل ہوگئے اور پھر دھرنا گاہ پر ہنگامہ شروع ہوگیا، اس واقعہ میں اب تک 9 ہلاک ہوچکے ہیں۔ واضح رہے کہ جب گزشتہ ایک سال سے کسان زرعی قوانین کے خلاف صبر وتحمل کے ساتھ احتجاج ومظاہرہ کررہے تھے تو ان پر گاڑی چڑھا کر کسانوں کو مشتعل کرنے کو کوئی دانشمندی نہیں کہہ سکتا۔ ملک میں کسی بھی معاملہ پر احتجاج یا ناراضگی کا اظہار برابر ہوتا رہتا ہے۔ پولیس اور انتظامیہ بھی مظاہرین کے خلاف کارروائی کرتی ہے لیکن انتظامیہ کے علاوہ کوئی اور دھمکی دے اور کسی کو سبق سکھانے کے لیے گاڑی سے کچل دے جس سے کسانوں کی دردناک اموات ہوئیں ایسا ملک میں پہلی بار ہوا ہے۔ بہرکیف سوال یہ ہے کہ جو لوگ ہلاک ہوئے ہیں اور جو جانی نقصان ہوا ہے اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اور کیا اس شرمناک واقعہ سے بچا نہیں جاسکتا تھا؟ سبھی کو معلوم ہے کہ حکومت کے وزرا اور لیڈران جہاں بھی جاتے ہیں، وہاں مخالفت میں کسان مظاہرہ کررہے ہیں تو اس کے لیے اسی طرح کا انتظام کیا جاتا تا کہ اس طرح کا ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آئے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حکومت شروع ہی سے یہ چاہ رہی ہے کہ کسانوں کی یہ تحریک کسی طرح سے ختم ہو۔ لکھیم پور کھیری کا شرمناک واقعہ اسی سوچ کا نتیجہ ہے لیکن اس طرح کے واقعات کسان آندولن کو کمزور کرنے کے بجائے کسانوں کے ارادوں کو مضبوطی و مزید تقویت بخشیں گے۔ اس لیے کہ یہ ایک ایسی تحریک ہے جسے طاقت کے زور پر دبایا نہیں جاسکتا۔

حافظ عبدالحئی
فتح پور، بارہ بنکی

آیوشمان بھارت ڈیجیٹل مشن

مکرمی!

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ گھر، گاؤں، سماج، معاشرہ اور ملک کا کوئی نہ کوئی پردھان ہوتا ہے۔ وہ اپنے ماتحتوں کا بھرپور خیال کرتا ہے کیوں کہ یہ اس کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ جہاں ملک کے پردھان کی بات ہے تو ان کی ذمہ داریاں بھی عظیم اور ہمہ جہت ہوجاتی ہیں۔ ہر معاملات میں پورے ملک کے باشندے ان کے فرامین کے منتظر رہتے ہیں۔ تعلیم، صحت، غذا، کپڑا، مکان، پانی، سڑک، سفر جیسے اہم اور بنیادی معاملوں میں ان کے اہم فیصلے کے منتظر باشندے ہمہ وقت پُر امید رہتے ہیں۔ ملک اور قوم کے تئیں ان کے غیر جانبدارانہ عظیم کارنامے انہیں امر کرتے ہیں۔ ان کی ہر بات، قول وعمل کا اثر ملک گیر ہوتا ہے۔ بااثر شخصیات کے قول وعمل کا خوشگوار اثر صدیوں تک رہتا ہے جسے دنیا میں پھیلنے میں دیر نہیں لگتی ہے۔ ہر اہم ہستی کے اچھے کام کو دنیا نگاہِ رشک سے دیکھتی ہے بلکہ اپنا آئیڈیل اور نمونہ بنا کر اپنے یہاں بھی ماحول سازگار کرانے میں فخر محسوس کرتی ہے۔

یہ اچھی بات ہے کہ وزیراعظم نے غریبوں، متوسط طبقے اور خواتین کو سستا اور بہتر علاج فراہم کرانے کے لیے اپنے عزم کا اظہار کیا ہے اور ملک میں جامع صحت کی سہولیات کا مضبوط انفرااسٹرکچر تیار کیا جارہا ہے۔ انہوں نے آیوشمان بھارت-پردھان منتری جن آروگیہ یوجنا کی سالگرہ کے موقع پر آن لائن پروگرام میں آیوشمان بھارت ڈیجیٹل مشن کے بارے میں جانکاری دیتے ہوئے کہا کہ اس سے ملک میں صحت کی سہولیات، اسپتال، ڈاکٹر فارمیسی، ادویات کی دکانیں اور مریض ایک پلیٹ فارم پر دستیاب ہوں گے۔ اس پلیٹ فارم سے ملک کے دور دراز علاقوں میں بھی شہریوں کو سینئر ڈاکٹروں اور ماہرین کے مشورے حاصل ہوسکیں گے۔ یہ ایک مستحسن ڈیجیٹل قدم ہے۔

ابو ریان جمیل اختر - کٹیہار، بہار

ہمیں فخر ہے کہ ہم ہندوستانی ہیں

سہارا انڈیا ماس کمیونی کیشن کیلئے پرنٹر و پبلشر ضیاء قادری نے سہارا انڈیا ماس کمیونی کیشن پریس، سہارا انڈیا ٹاور، 7 کپورتھلہ کمپلیکس، علی گنج، لکھنؤ میں چھپوا کر شائع کیا۔
For Sahara India Mass Communication Printed & Published by Zia Qadri, Printed at and Published from Sahara India Tower, 7 Kapoorthala Complex, Aliganj Lucknow
Chief Executive Officer & Editor in Chief : Upendrra Rai چیف ایگزیکیٹو آفیسر و ایڈیٹر ان چیف: اپیندر رائے
Resident Editor: Dr. Himayat Hussain jaisi * ریزیڈنٹ ایڈیٹر: ڈاکٹر حمایت حسین جائسی Group Editor: Ismail Zafar Khan (ismail.zafarkhan@gmail.com) گروپ ایڈیٹر: اسمعیل ظفرخان
For Editorial/News: simeurdu@gmail.com, ■ Advertisement (National): ■ 0-9891773434, 9899452476 Email: adsahara@gmail.com
فون لکھنؤ دفتر: پی بی ایکس وائیڈ یٹوریل: 0522-2332935، 2323126, 2337777 انٹرکام: 5367 سرکولیشن: 2388379، شعبۂ اشتہارات: 0522-2376356، ای میل: simeurdu@gmail.com - (Lucknow) sime.urdulko@gmail.com ٹیلی فون: دہلی آفس 23352368, 23352369,
* اس شمارہ میں شائع شدہ تمام خبروں کے انتخاب اور ایڈیٹنگ کیلئے ذمہ دار
R.N.I. No 70390/99ROZNAMARASHTRIYASAHARA(LUCKNOW) شمارہ: 7988 سال: 22
روزنامہ راشٹریہ سہارا
○ حب الوطنی ○ فرض شناسی ○ ایثار